

مکاتیب

(1)

مشفق و مکرمی جناب عمار ناصر صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مزاج گرامی بخیر!

مئی 2014ء کے شمارہ ”الشریعہ“ میں جناب عاصم بخش کا مکتوب نظر سے گذرا جس میں غزالی اور ابن رشد کے حوالہ سے میرے مضمون (فروری، مارچ 2014ء) پر کچھ تعریضات پیش کی گئی ہیں۔ زیر نظر مکتوب کے اندر انہی تعریضات کے جواب میں کچھ توضیحات پیش کرنا مقصود ہیں۔

۱۔ مکتوب نگار کو اعتراض ہے کہ غزالی کا دفاع کرتے ہوئے میں نے اپنے مضمون میں ناقدین غزالی کے جس ”فرضی حملہ“ کے خلاف جوابی کارروائی کی ہے، اس حملہ کا کوئی حوالہ اور ماخذ نہیں بتایا اور نہ ہی اس حملہ کے کسی ذمہ دار کی نشان دہی کی ہے۔ اطلاعاً عرض ہے کہ غزالی پر یہ ”فرضی حملہ“ آج روشن خیالوں کے ہر دوسرے جتھے کی طرف سے ہوتا ہے اور اس کا اعتراف خود مکتوب نگار نے بھی چند سطروں کے بعد کیا ہے۔ ویسے میرے مضمون کی ابتداء میں ڈاکٹر سلیمان دنیا کی عبارت بھی موجود ہے جو اس بات کی شہادت ہے کہ غزالی پر یہ حملہ عالمی اور غیر علاقائی نوعیت کا ہے اور بعض اوقات اس میں بڑے بڑے دانش ور بھی ملوث ہوتے ہیں۔ اب وہ خود ہی بتائیں کہ اس صورت حال میں اس ”حملہ“ کی فی الواقع موجودگی کو ثابت کرنے کے لئے آخر کسی ایک مخصوص مقالہ کا حوالہ دینے کی ضرورت ہی کیا ہے؟

۲۔ مکتوب نگار کی رائے میں غزالی پر مختلف الحیال حلقوں کی طرف سے مختلف نوعیت کی تنقیدات کی جاتی ہیں، ان میں سب سے غیر علمی اور سطحی تنقید وہی ہے جو ہمارے نام نہاد مسلم معقولین اور متجددین کی طرف سے ہوتی ہے اور جس کے خلاف جوابی کارروائی کا بیڑا میں نے اٹھایا ہے۔ مذکورہ تنقیدی حملہ سطحی اور غیر علمی قرار دینا بالکل بجا، لیکن اگر اس طرح سے وہ یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ اس غیر علمی تنقید کا جواب دینا بھی ایک فضول اور زائد از ضرورت کام ہے تو میں سمجھتا ہوں کہ یہ مکتوب نگار کی سادہ لوحی ہے۔ گم راہ کن غلط فہمیوں کو اگر صرف سطحی اور غیر علمی کہہ کر چھوڑ دیا جائے تو بعض اوقات وہ اتنی تناور ہو جاتی ہیں کہ ان کے خلاف بولنا بے اثر ہو جاتا ہے۔ غزالی کو پوری عقلی روایت کا مخالف گردانا اور سائنس و مذہب کی ہم آہنگی کے خلاف سمجھنا ایک غلطی ہے اور یہ غلطی آج صرف غزالی کے نقد کاروں سے ہی

نہیں، بلکہ غزالی کے بعض سادہ لوح مریدوں سے بھی اسی غلطی کا ارتکاب ہوتا ہے اور وہ بزعم خود اس ”رویہ“ کو غزالی کی خوبی سمجھتے ہیں۔ یعنی غزالی خود اپنی کتاب ”تہافت“ اور ”المعتد“ میں جس رویہ کی بار بار مذمت کرتے ہیں کہ ”حکمت و فلسفہ“ کی مطلق تنقید سے اسلام کو کوئی فائدہ پہنچنے والا نہیں، جس رویہ کو وہ ”صدیق لاسلام جاہل“ یعنی اسلام کے نادان دوست کا رویہ کہتے ہیں اور جس کے خلاف غزالی کے بعض مذمتی بیانات ہم اپنے مضمون میں نقل کر چکے ہیں، اسی رویہ کو غزالی کے ”اپنے“ اور مخالف، دونوں ہی غزالی کی طرف منسوب کرتے ہیں، اس کو ”ثابت“ کرنے کے لیے باقاعدہ مورچے لگاتے ہیں اور پھر داد کے منتظر ہوتے ہیں۔ ہمارے مکتوب نگار دوست کا خیال ہے کہ اپنوں اور غیروں کی اس سنگین علمی غلطی کو ابھی بھی صرف سطحی اور غیر علمی کہنے پر اکتفاء کیا جائے۔

۳۔ مسلم ”حکیموں“ اور فلسفیوں میں کچھ تو وہ تھے جنہوں نے خود کو غیر مابعد الطبیعیاتی علوم تک محدود رکھا، جبکہ کچھ نے مابعد الطبیعیات (الہیات) میں بھی ٹانگ اڑائی اور یوں دین کے دائرہ میں دخل اندازی کی۔ یہ دخل اندازی کیوں ناروا تھی، اس موضوع پر کچھ گفتگو میں اپنے مضمون میں کر چکا ہوں۔ مکتوب نگار کا نکتہ اعتراض یہ ہے کہ ”مسلم“ حکماء کے مابین یہ خط تقسیم غیر حقیقی ہے۔ ”مسلم“ حکماء کا علمی منبع و ماخذ یونانی علییت تھی اور یونانی علییت ایک اکائی کا نام تھا جس کا ایک لازمی جزو مابعد الطبیعیات بھی تھی۔ یونانی علییت کا کوئی بھی قاری، متعلم اور ماہر اس کے کسی خاص جزو کو نظر سے گزارے بغیر نہیں رہ سکتا تھا۔ یہ بہت مشکل تھا کہ یونانی علییت کے تمام اجزاء اس کی نظر سے گزریں مگر اسی علییت کا ایک لازمی جزو ”مابعد الطبیعیات“ اس کی نظر سے اوجھل رہ جائے۔ مکتوب نگار کی یہ ساری گفتگو اغلباً درست ہے اور میں نے ایسی کوئی بات سرے سے نہیں کی جس کے جواب میں وہ یہ سب کہنے کی ضرورت محسوس کر رہے ہیں۔ بعض حکماء کے بارہ میں میرا یہ موقف اور حسن ظن کہ ”انہوں نے خود کو غیر الہیاتی علوم تک محدود رکھا“ اس کا یہ مطلب نہیں تھا کہ سرے سے یونانی الہیات ان کی نظر سے ہی نہیں گذری۔ اس کام مفہوم اور مدعا فقط یہ تھا کہ انہوں نے اس مابعد الطبیعیات کے لئے تائید و حمایت کی کوئی پوزیشن اختیار نہیں کی اور اس معاملہ میں خود کو یونانی الہیات کا دفاعی فریق نہیں بننے دیا۔ یوں بھی دیکھا جائے تو فی نفسہ کفریات کا مطالعہ نہیں، بلکہ ان کی تائید و تصدیق اصل میں قابل اعتراض چیز ہے، ورنہ تو وہ بہت سے فلسفی بھی اس کی زد میں آجائیں گے جو دراصل یونانی الہیات کے ناقد ہیں مثلاً خود غزالی اور ابوالبرکات بغدادی وغیرہ، کیونکہ یہ حضرات یونانی الہیات کا مطالعہ ہی نہیں، اس پہ عبور رکھتے تھے اور کم از کم ان لوگوں کو تو بڑے فلسفیوں کی کمیونگری میں شامل کرنا ہمارا مدعا ہرگز نہیں تھا۔ اگر مضمون کے اندر میرے مدعا کے ابلاغ میں کوئی سقم رہ گیا تھا تو امید ہے کہ اب اس کا ازالہ ہو چکا ہوگا۔ میری پہلی قسط میں صفحہ ۱۶ کی ساری گفتگو کو اگر سیاق و سباق کے ساتھ پڑھ لیا جائے تو وہ ”محدود رکھنے“ کے اسی مفہوم کی متقاضی ہے اور اس میں مذکورہ حکماء کے ساتھ ہمارے حسن ظن کے قرائن بھی موجود ہیں جن سے مذکورہ بالا خط تقسیم کی موجودگی بھی ثابت ہوتی ہے۔

مکتوب نگار کی رائے میں، اس راقم نے خود ہی سائنس اور فلسفہ کو گذشتہ تاریخ کے اعتبار سے مرتکز اور ہم معنی تک کہا ہے جو اس بات کا ثبوت ہے کہ یونانی علییت بشمول اپنی الہیات وغیر الہیات کے ”مسلم“ حکماء کے سامنے ایک ”کل“

اور اکائی کی حیثیت سے موجود تھی اور مسلم حکماء کی اس سے مشغولیت بھی ایک اکائی ہی کی حیثیت سے تھی۔ اطلاعاً عرض ہے کہ فلسفہ اور سائنس کے جس ارتکاز اور وحدت اطلاق کی بات مکتوب نگار میری طرف منسوب کر کے ”خط تقسیم“ کو غیر حقیقی ثابت کرنا چاہتے ہیں، اس حوالہ سے میرے مضمون کا مواد بھی درحقیقت ”خط تقسیم“ کی نشان دہی کرتا ہے اور اس بات کا قرینہ ہے کہ ”مسلم“ حکماء و فلاسفہ میں دلچسپی کے دائرے مختلف رہے تھے، وہ بے شک ”جامع العلوم“ رہے ہوں گے مگر ضروری نہیں کہ الہیات میں نفیاً یا اثباتاً ان کی دلچسپی بھی یکساں رہی ہو۔ چنانچہ پہلی قسط میں صفحہ ۱۶ کے درمیانی پیرا گراف کو دوبارہ پڑھ لیجئے۔

۴۔ بشمول کچھ اور فلاسفہ و حکماء کے، میں نے محمد بن زکریا رازی، البیرونی اور عباس بن فرناس (اس کا نام مسلم بن فرناس لکھنا شاید میری غلطی تھی) وغیرہ کے بارہ میں یہ لکھا تھا کہ ”ہمارے علم کے مطابق“ انہوں نے خود کو غیر مابعد الطبیعیاتی علوم تک محدود رکھا۔ اب ان میں سے کسی کے بارہ میں اگر یہ ثابت ہوتا ہے کہ وہ فی الواقع خالصتاً غیر الہیاتی ”حکیم“ نہیں تھا تو اس میں کوئی حرج نہیں، ہمیں بھی ہر ایک کو بہر صورت یہ ثابت کرنے پر اصرار نہیں اور اسی وجہ سے ہی ہم نے ڈھیلے ڈھالے انداز میں ”ہمارے علم کے مطابق“ کی شرط کا اضافہ مضمون کے متن میں ہی کر دیا تھا۔ ثابت تو صرف یہ کرنا مقصود تھا کہ کچھ حکماء بہر حال ایسے بھی تھے کہ جنہوں نے خود کو غیر الہیاتی علوم تک محدود رکھا اور اس کے قرائن بھی موجود ہیں۔ باقی دی گئی مثالوں میں سے اگر کوئی مثال اس صورت کے مطابق نہیں ہے تو اس سے ہمارے اساسی موقف پر بہر حال کوئی زد نہیں پڑتی۔ رازی اور عباس بن فرناس کے بارہ میں مکتوب نگار کی دی گئی معلومات درست ہو سکتی ہیں کہ انہوں نے خود کو غیر الہیاتی علوم تک محدود نہیں رکھا، مگر البیرونی کے بارہ میں ان کا یہ کہنا کہ وہ ”ہندیات“ کا ماہر تھا، کیا معنی رکھتا ہے؟ وہ ہندیات کا ماہر تو تھا، لیکن کیا ہندی کفریات کی کوئی تصدیق و تائید یا اس ضمن میں کوئی قابل اعتراض بیان بھی اس سے منقول ہے؟ اگر نہیں تو پھر اس کا شمار انہی ”حکماء“ میں ہونا چاہئے جنہوں نے خود کو الہیات میں کوئی نئی اور متنازعہ ”ایجاد“ پیش کرنے سے محفوظ رکھا اور جنہیں کبھی بھی مسلم معاشرہ میں کسی دقت کا سامنا نہیں کرنا پڑا۔ مکتوب نگار کو یہاں پر ایک بار پھر ”محدور کھنے“ کا معنی سمجھنے میں مغالطہ ہوا ہے۔

۵۔ مکتوب نگار کی رائے میں اگر ہم غیر متعصب ہو کر دیکھیں تو دیکھیں گے کہ بوعلی سینا وغیرہ مسلم فلاسفہ افاطونی روایت کے غضب ناک حملہ کے خلاف مسلسل برسر پیکار ہیں جس کی بہر حال تحسین ہونی چاہئے۔ مکتوب نگار کو چاہئے کہ وہ خود ان کی اس جدوجہد پر ذرا تفصیلی کلام کریں اور یہ بھی بتادیں کہ اگر کسی ملحد میں صدقہ و سخاوت جیسی کچھ اچھی صفات پائی جاتی ہوں تو کیا ان کی وجہ سے اس کے الحاد و بے دینی سے چشم پوشی کر لینی چاہئے؟

۶۔ میں نے لکھا تھا کہ ایک مسلمان کے فلسفیانہ غور و فکر کو شرعی حدود و قواعد کا پابند ہونا چاہئے۔ مکتوب نگار کو اعتراض ہے کہ ”قرآن میں باقاعدہ تلقین کی گئی ہے کہ حق و سچ کو تلاش کرنے لئے انفس و آفاق میں غور کیا جائے، لہذا فلسفیانہ غور و فکر کو نام نہاد شرعی حدود کا پابند بنانے کا کوئی جواز نہیں ہے اور نہ ہی یہ ممکن ہے کہ متجسس دماغ اس کو قبول کر لیں، الا یہ کہ ماضی کے کلید سائی جبر کی تاریخ دہرائی جائے۔“ اطلاعاً عرض ہے کہ فلسفیانہ غور و فکر میں حتمیت و قطعیت کوئی چیز نہیں

ہوتی جس کا اعتراف خود مکتوب نگار بھی کریں گے اور یونانیوں و ”اسلامیوں“ کا علم الہیات تمام کا تمام ظن و تخمین پر ہی مبنی ہے۔ اس میں ان مسائل کو قطعی عقائد کی حیثیت سے پیش کیا گیا ہے جن کی کوئی قطعی دلیل قطعاً موجود نہیں ہے۔ جن چیزوں کا حتمی علم نہ ہو، ان کے بارہ میں فلسفیانہ غور و فکر جاری رکھنا اور پھر بالآخر محض ظن و تخمین کی بنیاد پر کوئی رائے بھی قائم کر لینا کیسا ہے اور قرآنی تعلیم اس کے بارہ میں کیا ہے؟ سنئے: ”ولاتتقف مالمیس لک بہ علم، ان السمیع والبصیر والفواد کل اولئک کان عنہ مسئولاً“ یعنی ”جن چیزوں کا کوئی حتمی علم تمہیں نہیں ہے ان کے پیچھے مت پڑو اور نہ ان کی پیروی کرو، کیونکہ دید، شنید اور دھڑکتا دل، ان سب کو اپنی اپنی طرف سے جواب دہ ہونا ہے۔“ (الاسراء: ۳۶) یعنی اسی جواب دہی کا احساس کرتے ہوئے مشتبہ امور میں بے مقصد اور بے نتیجہ غور و فکر کر کے اپنی توانائیاں ضائع نہ کرو، خصوصاً جبکہ معاملہ مقدس الہیاتی شعائر کا ہو تو غیبی حقائق کے بارہ میں اٹکل بچو لگانا ان مقدس شعائر کی بے حرمتی اور حق تلفی کا سبب بن کر ایمان کے لئے بھی خطرناک ہو سکتا ہے۔ مشرکین ملکہ کا ملائکہ کو منونث سمجھنا ظن و تخمین پر مبنی اسی فلسفیانہ غور و فکر کا ہی نتیجہ تھا اور اسی پر اللہ نے فرمایا تھا کہ کیا تم فرشتوں کی تخلیق کے وقت سامنے موجود تھے؟ یونانیوں کی الہیات بھی تمام کی تمام ظنی و فرضی چیزوں پر مبنی ہے، معدودے چند باتوں کے علاوہ کسی بھی چیز کی کوئی قطعی و حتمی دلیل موجود نہیں ہے۔ غزالی کی تہافت کا ایک بڑا حصہ محض یہی ثابت کرنے کے لئے ہے جس کی تفصیلی نشان دہی ہم اپنے مضمون میں کر چکے ہیں۔ اسلام کا خدا فلسفیوں کے خدا کی طرح کوئی سائنسی فارمولہ یا ٹاپ کی چیز نہیں ہے جس کا کوئی وقار اور احترام نہ ہو۔ یہاں تو ہر اس چیز کا بھی احترام ہے جو خدا کی طرف سچائی کے ساتھ منسوب ہو جائے۔ اسلامی عقائد اور غیبی تصورات جہاں تک ثابت ہیں، وہ سب کے سب عقلاً بلکہ بدابہتہ ثابت ہیں اور کسی بھی انسانی رشتہ سے زیادہ ان کا تقدس اور احترام واجب ہے۔ کیا کوئی بھی معقول انسان اپنے محترم اور عزیز رشتوں کو ظن و تخمین پر مبنی فلسفیانہ غور و فکر کا میدان بنانا پسند کر سکتا ہے؟ اگر نہیں تو قطعیت کے ساتھ ثابت ان اسلامی عقائد کو فلسفیانہ غور و فکر کا شوق پورا کرنے کے لئے تختہء مشق بنانا اور بنا کسی معقول دلیل کے ان کے بارہ میں رائے قائم کر لینا بھی قابلِ مذمت ہے اور مذکورہ بالا آیت کی رو سے اس پر سخت جواب دہی کا اندیشہ ہے۔

قرآن میں انفس و آفاق اور کائنات کے اندر جو غور و فکر کرنے کی تلقین کی گئی ہے، اس کے حاصل معنی پر ہم اپنے مضمون ”تدبر کائنات کے قرآنی فضائل“ (الشریعہ۔ جون 2014ء) میں تفصیلی کلام کر چکے ہیں۔ اس سے نہ تو الہیاتی امور میں ہونے والا ظن و تخمین پر مبنی فلسفیانہ غور و فکر مراد ہے اور نہ ہی طبعیاتی امور کے اندر ہونے والا سائنسی و تجرباتی غور و فکر۔ ہاں، البتہ وہ روحانی اور الہیاتی غور و فکر ضرور مراد ہے کہ جس کی طرف خود کائنات بھی پورے زور و شور کے ساتھ انسان کو دعوتِ التفات دے رہی ہے، جس سے انسان میں خالق کائنات کی عظمت، قوت، قدرت، بادشاہت، رحمت، حکمت، علمی وسعت اور لامحدود بڑائی کے تصورات راسخ ہوں، جس غور و فکر کے نتائج بالکل قطعی و عام فہم ہیں اور ان میں کوئی فلسفیانہ جھول یا اشتباہ نہیں پایا جاتا جیسے وجود باری تعالیٰ، توحید اور خالق کی تقدس آمیز صفات (قدیر، عظیم، علیم، کریم وغیرہ) اور جس غور و فکر کے نتیجے میں ہی اسلامی الہیاتی تصورات کا اتنا تقدس طے پایا ہے کہ ان کے بارہ میں

انکل پچوگانا، بغیر یقین کے لب کشائی کرنا اور فلسفیانہ غور و فکر کا میدان بنانا ان کی بے حرمتی قرار پاتا ہے۔
 فلسفیانہ غور و فکر ایک مشغلہ ہے اور یہ مشغلہ کسی حد تک مباح بھی ہو سکتا ہے، بشرطیکہ اپنی جائز حدود تک محدود رہے۔
 الہیات کے تقدس کے پیش نظر اس میں ایسی کوئی رائے قابل قبول تو کجا، قابل برداشت بھی نہیں ہے جو ظنی و تخمینی
 اندازوں پر مبنی ہو، صرف وہی آراء یہاں قابل قبول اور معتبر ہیں جو عقلاً پوری قطعیت کے ساتھ ثابت ہوں یا پھر وحی
 کے قطعی ذریعہ سے ماخوذ ہوں، باقی جتنے مشتبہ احتمالات ہیں، ان کے بارہ میں کچھ کہنے اور سوچنے سے اپنے آپ کو دور
 رکھنا ہی عافیت کا راستہ ہے اور کم از کم مقدس الہیاتی شعائر کے بارہ میں ایمان کے لئے خطرناک اور خدا کی ناراضگی کا
 باعث بننے والے ایسے رویہ کا تحمل کوئی مسلمان تو بالکل نہیں کر سکتا۔ مثلاً وقت اور ”زمان“ کے ”قدم و حدود“ کی بحث
 کو لے لیجئے جو مکتوب نگار نے بلاوجہ چھیڑی ہے اور پھر خود اظہار کیا ہے کہ اس بحث کا کوئی تسلی بخش، حتمی اور قطعی فلسفیانہ
 جواب ممکن نہیں ہے۔ یہ بحث مذکورہ آیت کی رو سے قابل مذمت ہے۔ اپنے ایمان کے لئے اتنی سی بات کافی ہے کہ
 ”اللہ خالق کل شئی“ یعنی ”اللہ ہر چیز کا خالق ہے۔ (الانعام: ۱۰۲) اس کی تفصیل میں جا کر ہم ان بہت سی
 چیزوں کا نام بھی لے سکتے ہیں جو عام فہم ہیں، جن کا تصور کرنے کے لئے کوئی فلسفیانہ پیچ و تاب کھانے کی ضرورت نہیں
 ہے اور جن کا ذکر خود خدا نے انسان کو اپنی طرف متوجہ کرنے کے لئے کیا ہے، مثلاً سورج و چاند، زمین و آسمان، ستارے
 اور سیارے، پہاڑ و دریا، بادل و بارش، گرمی و سردی، صحت و بیماری، جن و انسان، چرند پرند، شجر و حجر، دن و رات، ہفتے
 و مہینے اور دوسری بہت سی چیزیں۔ باقی رہیں ”زمان“ جیسی پیچیدہ تصوراتی اور خیالی چیزیں جن کے بارہ میں پہلے دن
 سے طے ہے کہ ان پر جتنی بھی بحث کر لی جائے وہ بے نتیجہ رہے گی، ان کا کوئی قطعی حل انسانی فہم و ادراک کے پاس نہیں
 ہے (الایہ کہ تانیث ملائکہ کی طرح کا کوئی ”حل“ فرض کر لیا جائے)، بلکہ محض ان جیسی چیزوں کا تصور کرنے کے لئے ہی
 انسانی عقل کا پہلے مصنوعی و غیر فطری تفکرات کا عادی ہونا ضروری ہے تو جب ایسی چیزوں کا تعلق مقدس دینیاتی امور
 سے بھی ہو تو ایسی چیزوں کے بارہ میں نہ سوچنا اور ان کے پیچھے نہ پڑنا ہی سلامتی کا راستہ ہے۔ خود ساختہ ”نتیجہ“ اخذ
 کرنے میں اگر کوئی اونچ نیچ ہوگئی یا بارگاہ الوہیت کے آداب کی کوئی حق تلفی ہوگئی تو اپنی نجات ہی خطرے میں پڑ جائے
 گی، کسی دوسرے کا کوئی نقصان نہیں ہوگا۔ جبکہ دماغی بوکاٹوں کے وقتی تلمذ کے لئے اپنی ابدی نجات کو خطرے میں ڈالنا
 سراسر گھائے کا سودا ہے۔ بہ الفاظ اقبال:

خرد ہوئی ہے زمان و مکاں کی زناری

نہ ہے زماں نہ مکاں، لا الہ الا اللہ

رہا معاملہ متحس دماغوں کا اور ماضی کے کلیسائی جبر کا تو گزارش یہ ہے کہ شرعی نقطہ نظر متحس دماغوں کی پسندیدگی کو
 دیکھ کر طے نہیں کیا جاتا، البتہ سائنسی تدبر کے خلاف کلیسا کے جبر کو ہم بھی قابل مذمت سمجھتے ہیں، لیکن مابعد الطبیعیاتی
 شعائر کے بارہ میں فلسفیانہ تخمینہ بازی پر عائد کی گئیں مدلل اور بامقصد شرعی قدغنون کو ماضی کے کلیسائی جبر کے ساتھ
 جوڑنا ناقابل فہم اور افسوس ناک ہے۔ ہمارے مسلم اہل علم مثلاً غزالی وغیرہ تقریباً ایک ہزار سال پہلے ہی یہ وضاحتیں

کر چکے ہیں کہ (جس طرح کی چیزوں میں کلیسا نے جبر کا مظاہرہ کیا تھا) ایسی چیزوں میں فلسفیوں کے ساتھ مناظرہ کرنا ہی نامعقول اور خود دین کے مقدمہ کو کم زور کرنے کے مترادف ہے۔ میری دوسری قسط کے آخری پیرا گراف کو ذرا توجہ سے پڑھ لیجئے۔

۷۔ مکتوب نگار نے سائنس کی تعریف کا سوال بھی اٹھایا ہے تو ہمارے نزدیک سائنس نام ہے مادی کائنات پر غیر روحانی و غیر الہیاتی تدبیر کرنے اور اس سے نتائج اخذ کرنے کا۔ اب اگر مابعد الطبیعیاتی سوالات سائنس کا جزو سمجھے جاتے ہیں تو ٹھیک ہے، ہمیں اس پہ کوئی اعتراض نہیں، مگر جو اعتراض پہلے فلسفہ پر ہوتا تھا، اب وہی سائنس پر ہوگا کیونکہ اصل اعتراض اس سرگرمی پر ہے جو الہیاتی تقدسات کے خلاف ہے، خواہ وہ فلسفہ کہلائے یا سائنس۔ الہیات میں صرف قطعی اور حتمی بات قابل قبول ہے، اگر فلسفہ یا سائنس کوئی قطعی اور نیا ”انکشاف“ کرتے ہیں جو واقعاً قطعی ہو اور نیا بھی تو اسلام کو اس پہ کیا اعتراض ہو سکتا ہے، مگر عملاً کوئی انکشاف ایسا ہوگا نہیں۔ فلسفہ کہیں، سائنس کہیں، دماغی کاوش کہیں، عقلی روایت کہیں یا کچھ اور، اسلام کے ساتھ ان کی ہم آہنگی کی یہی ایک صورت ہے کہ یہ قطعیت کے ساتھ ثابت اسلامی شعائر کا احترام ملحوظ رکھیں اور ان پہ غیر یقینی مشتبہات کی نشانہ بازی سے باز رہیں، یہی ہم آہنگی منصفانہ ہے، مطلوب بھی اور اس کے اثبات ہم نے غزالی کے حق میں کیا تھا۔

۸۔ مکتوب نگار نے غزالی اور ابن رشد کے جن چند ضمنی اختلافات کی طرف اشارہ کیا ہے، وہ ثانوی حیثیت رکھتے ہیں۔ غزالی کا اصل مقدمہ جیسا کہ ہم مضمون میں عرض کر چکے ہیں، فارابی، بوعلی سینا اور ان کے پیروکاروں کے خلاف تھا۔ اس کے مقابلہ میں ابن رشد کا جواب اب اسی صورت میں جواب کہلانے کا مستحق ہوتا کہ وہ فارابی اور بوعلی سینا کی طرف سے کوئی تسلی بخش قسم کی صفائی دیتے، لیکن ہم عرض کر چکے ہیں کہ وہ اس حوالہ سے بالکل ناکام رہے ہیں۔ پس چند ضمنی اور لفظی اختلافات کو نمایاں کرنا کیا معنی رکھتا ہے؟

میرا اندازہ ہے کہ مکتوب نگار نے میرے مضمون سے متعلق جو قابل ذکر اور دریافت طلب نکات اٹھائے تھے، ان کی مناسب وضاحت ہو چکی ہے۔

والسلام

محمد عبداللہ شارق

mabdullah_87@hotmail.com

(۲)

برادر م جناب محمد مشتاق احمد صاحب

اسٹنٹ پروفیسر قانون بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مجھے آج (2 جون 2014ء) کو ایک ای میل کے ذریعے ماہنامہ الشریعہ کے جون 2014ء کے شمارے میں صوبہ خیبر پختونخوا اسمبلی سے حال ہی میں صوبے میں نجی قرضوں پر سود کی روک تھام کے حوالے سے منظور کردہ بل پر آپ کا مضمون پڑھنے کا موقع ملا ہے۔ آپ نے اس مضمون کا عنوان رکھا ہے (خیبر پختونخوا میں سود کی ترویج کی ایک مذموم کوشش) اور اس میں ایک مقام پر آپ نے لکھا ہے کہ اس مسودہ قانون پر جناب سراج الحق صاحب کے دستخط بحیثیت منسٹر انچارج کے ثبت ہیں جو انہوں نے 14 اپریل 2014ء کو کیے ہیں یعنی جماعت اسلامی کے امیر کا حلف اٹھانے کے بعد پہلے ہفتے میں۔ میں اس حوالے چند معروضات آپ کی خدمت میں عرض کرنا چاہتا ہوں۔

1- مضمون کے ابتدائیہ میں آپ نے سود کی ممانعت، حرمت اور شناعیت کے حوالے سے جو تحریر کیا ہے، اس سے مجھ سمیت جماعت اسلامی پاکستان کے ہر کارکن اور ہر مسلمان کو اتفاق ہے اور اسکی وجہ یہ ہے کہ ربا اور سود کا حرام قطعی ہونا قرآن و سنت کی واضح نصوص سے ثابت ہے اور اس کی حرمت پر درود نبوی سے لے کر آج تک فقہاء دین اور ائمہ مجتہدین کا اجماع موجود ہے۔ قرآن کریم میں سورہ بقرہ کی آیت نمبر 275 ربا کے حرام قطعی ہونے کی صریح دلیل ہے اور اس آیت میں ہر قسم کے سود کو حرام قرار دیا گیا ہے۔ (خواہ وہ سود مفرد ہو یا سود مرکب)۔ اسی طرح سود سے متعلق قرآنی آیات کی تشریح و توضیح اور قباحیت میں احادیث کا ایک بڑا ذخیرہ بھی موجود ہے۔

ان مختصر جملوں کو تحریر کرنے سے آپ جیسے صاحب علم کے سامنے سود کی حرمت پر دلائل دینا مقصود نہیں ہے بلکہ غرض صرف اور صرف یہ ہے کہ سود کی ممانعت اور حرمت پر ان واضح نصوص شرعیہ کی موجودگی میں ایک ادنیٰ سے ادنیٰ مسلمان بھی کس طرح اس کی حرمت سے انکار کر سکتا ہے؟ یاد دہانستہ اور جان بوجھ کر سود کو جاری رکھنے کی مذموم کوشش کر سکتا ہے؟

2- اس موجودہ بل پر اپنا موقف دینے سے پہلے میں مناسب سمجھتا ہوں کہ اس بل کو پیش کرنے کے اس بنیادی سبب کا اعادہ کروں جس کا ذکر آپ نے بھی اپنے مضمون میں واضح طور پر کیا ہے اور وہ یہ کہ سابق چیف جسٹس پشاور ہائی کورٹ جناب دوست محمد صاحب کے ریمارکس مختلف اخبارات میں چھپے تھے جن سے معلوم ہوتا تھا کہ صوبہ خیبر پختونخوا میں نجی سود کے امتناع کے حوالے سے کسی قانونی خلاء کی وجہ سے ایسے سود خوروں کو عملاً سزا نہیں دی جاسکتی جنہوں نے معاشرے میں لوگوں کی مشکلات کا فائدہ اٹھاتے ہوئے ظلم و بربریت کا بازار گرم کر رکھا ہے۔ 2012ء میں ایک از خود نوٹس کی سماعت کے دوران معزز سابق چیف جسٹس پشاور ہائی کورٹ کے ریمارکس اور اظہار ناراضگی کا بھی آپ نے اپنے مضمون میں ذکر فرمایا ہے۔ میں نے آپ سے اسلام آباد کے سیمینار میں ملاقات سے قبل ایک تحریر (ریکارڈ میں موجود) کے ذریعے موجودہ سینئر وزیر (وزیر خزانہ) اور اس وقت جماعت اسلامی پاکستان کے نائب امیر محترم جناب سراج الحق صاحب کی توجہ اس حوالے سے ضروری قانون سازی کے علاوہ کئی دیگر امور کی طرف بھی دلائی تھی جس پر انہوں نے ایک کمیٹی بھی تشکیل دے دی تھی۔ اس کمیٹی میں دیگر ماہرین کے علاوہ مجھ جیسے طالب علم کا نام بھی شامل تھا لیکن میں بیرون ملک سفر کی وجہ سے شرکت نہ کر سکا۔

3- آپ نے لکھا ہے کہ اس موضوع پر تو آپ کے والد محترم جناب اکرام اللہ شاہد صاحب کی طرف سے پیش

کردہ بل جولائی 2007ء میں اس وقت کی صوبائی اسمبلی سے پہلے ہی منظور ہو چکا تھا اور حیرت کا اظہار کیا ہے کہ اس کا علم اس وقت کے سینئر وزیر محترم سراج الحق صاحب اور مجھے کیوں نہیں تھا جبکہ میں اس وقت ممبر قومی اسمبلی اور ایم ایم اے حکومت کی تشکیل کردہ نفاذ شریعت کونسل کا رکن بھی تھا۔ اپنے بارے میں آپ کے تحریر کردہ تعریفی جملوں کو میں آپ کے حسن ظن سے تعبیر کرتا ہوں، ورنہ من آنم کہ من دانم کے مصداق میں اپنے آپ کو اچھی طرح جانتا ہوں۔ بہر حال میں آپ کے اس حسن ظن کے لیے آپ کا مشکور ہوں اور آپ کے بارے میں یہ رائے رکھتا ہوں (جس کا میں کئی مرتبہ دوستوں کی مجالس میں اظہار بھی کر چکا ہوں) کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو علمی دانش و بصیرت سے نوازا ہے۔ نومبر 2013 کو اسلام آباد کے سیمینار میں میرے سابق کلاس فیلو اور اس پروگرام کے میزبان جناب ڈاکٹر ضیاء اللہ رحمانی صاحب کو میں نے بتا دیا تھا کہ اپنے موضوع پر مدلل، مربوط اور علمی مقالہ برادر محمد مشتاق احمد نے پیش کیا ہے۔

جہاں تک شریعت کونسل کے ممبر ہونے کی حیثیت سے مجھے آپ کے والد محترم اور ہمارے مشفق بزرگ محترم اکرام اللہ شاہ صاحب کے پیش کردہ بل کا علم کیوں نہ ہو سکا تو اس حوالے سے میں عرض کروں کہ آپ کے والد محترم کے بل کا مسودہ شریعت کونسل میں برائے غور و خوض آیا ہی نہیں تھا۔ اس لیے اس پر رائے دینے یا اس کا علم ہونے کی بات تو یہیں پر ختم ہو جاتی ہے۔ جماعت اسلامی کی طرف سے اس وقت میرے علاوہ محترم پروفیسر محمد ابراہیم خان صاحب اور جناب ارباب عثمان صاحب ایڈووکیٹ بھی اس کونسل کے اراکین تھے اور ان سے اس بات کی تصدیق کرائی جاسکتی ہے۔

آپ کے والد محترم اس وقت حکمران جماعت ایم ایم اے کی پارلیمانی پارٹی کے ایسے رکن تھے جن کو صوبائی اسمبلی کے ڈپٹی اسپیکر کی حیثیت سے ایک اہم اور باعزت منصب سے بھی نوازا گیا تھا۔ اس لیے مناسب تو یہی ہوتا کہ ایک سرکاری ممبر کی حیثیت سے باہمی مشاورت سے یہ بل اسمبلی میں آتا، لیکن مجھے یقین ہے کہ اگر آپ کے جہاندیدہ اور پارلیمانی روایات سے اچھی طرح باخبر والد محترم نے ایسا نہیں کیا تو ان کے پاس اس کی معقول وجہ بھی ہوگی۔ میں ذاتی طور پر ان کی طرف سے اس اہم موضوع پر قانون سازی کی کاوش کو نہایت تحسین کی نگاہ سے دیکھتا ہوں اور میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو اس دینی کاوش پر اجر عظیم سے نوازے، آمین۔

4۔ آپ نے یہ بھی لکھا ہے کہ آپ کے والد محترم کے پیش کردہ اس بل کو ایم ایم اے حکومت میں دو سال تک لٹکائے رکھا گیا تو اگر واقعی کسی فنی، انتظامی یا کسی دیگر معقول وجہ کے بغیر ایسا ہوا ہے تو میں اس کی مذمت کرتا ہوں اور یہ یقیناً اچھا نہیں ہوا ہے۔ لیکن اگر اس کو بالآخر اسمبلی سے منفقہ طور پر پاس بھی کرایا گیا ہے تو دیر آید درست آید کے مصداق یہ بھی ایک قابل تحسین کام ہوا ہے۔

5۔ جہاں تک پھر بھی محترم سراج الحق صاحب اور ہماری طرف سے اس بل کے بارے میں ہماری لاعلمی کو ہماری ایک کمزوری کے طور پر بتا کر حیرت کا اظہار کیا گیا ہے تو آپ کو معلوم ہے کہ جب کسی اسمبلی سے کوئی بھی قانون بنتا ہے تو اسکو فوری طور پر قانون کی سرکاری کتاب یا دستاویز کا حصہ بنایا جاتا ہے اور نچ حضرات سمیت وکلاء بھی ان قوانین سے اپنے آپ کو باخبر رکھتے ہیں کیونکہ انہی قوانین سے تو انکو تقریباً روزانہ واسطہ پڑتا ہے۔ جبکہ آپ کے والد محترم چونکہ خود ایک

سیاست دان ہیں، اسلئے آپ یہ بھی یقیناً جانتے ہوں گے کہ سیاست سے وابستہ ایسے لوگوں کا زیادہ وقت مختلف النوع مصروفیات اور خدمات کے حوالے سے عوامی میدان میں گزرتا ہے۔ یہ پھر بھی اپنے آپکو باخبر نہ رکھنے کے لیے یہ کوئی Excuse اور معقول وجہ نہیں ہونی چاہیے، لیکن اگر واقعی ایسا ہے کہ امتناع سود کے حوالے سے واقعتاً ایک مکمل اور قابل عمل قانون سازی موجود تھی اور اسکا ہمیں علم نہیں تھا تو مشتاق بھائی، ازراہ تفصیل عرض کر دوں کہ سابق چیف جسٹس پشاور ہائی کورٹ سمیت صوبے کے ان دیگر جج اور وکلاء صاحبان کو اگر اس طرح کی قابل عمل قانون سازی کا علم نہ ہو۔۔۔ کا جوابی پیشہ ورانہ ذمہ داریوں اور قانونی پس منظر کی وجہ سے ہمہ وقت قانون کی تعبیر و تشریح اور مطالعے میں مصروف رہتے ہیں تو ہم جیسے کمزور انسانوں کی لاعلمی زیادہ اچھی کی بات نہیں ہونی چاہیے اور اس بنا پر ہم امید رکھتے ہیں کہ ہماری اس کمزوری اور غلطی پر ہمیں معافی مل جائے گی۔

6۔ لیکن امر واقعہ ایسا نہیں ہے بلکہ سابق چیف جسٹس ہائی کورٹ کو بھی اس قانون کی موجودگی کا علم تھا جبکہ حوالہ آپ نے دیا ہے اور سینٹرز پر صوبہ محترم سراج الحق صاحب کی قائم کردہ اس کمیٹی کو بھی علم تھا جس نے اس نئے بل کے مسودے پر اپنے اجلاس میں غور کیا تھا۔ اس اجلاس کے ریکارڈ ڈمنٹس کے علاوہ پشاور سے کمیٹی کے رکن پروفیسر سید محمد عباس صاحب سے بھی اس بات کی تصدیق کرائی جاسکتی ہے کہ بل کی منظوری سے قبل کمیٹی کے علم تھا کہ اس موضوع پر ایک قانون پہلے سے موجود ہے لیکن بقول سابق چیف جسٹس ہائی کورٹ کے اس میں موجود نقص کی وجہ سے اس قانون کے مطابق مجرموں کو سزا نہیں دلائی جاسکتی۔ آپ نے لکھا ہے کہ (عدالت عالیہ کے متعلقہ آرڈر شیٹ نکال لینے کے بعد معلوم ہوا کہ وہ اس قانون کو مزید موثر بنانا چاہتے تھے اور اسی مقصد کے لیے انہوں نے حکومت کو احکامات جاری کیے تھے) سوال یہ ہے کہ سابق چیف جسٹس صاحب کے رہبر کس سے تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس قسم کے سودی کاروبار والوں کو سزا دلوانا چاہتے تھے لہذا اگر مذکورہ قانون زیادہ موثر نہیں تھا تو تھوڑا موثر تو ضرور ہوگا لیکن ہم نے کسی ایسے مجرم کو اس قانون کے تحت تھوڑی سزا پاتے بھی نہیں دیکھا۔ اس لیے اس قانونی خلا کو پر کرنے یا آپ کے بقول اس قانون کو زیادہ موثر بنانے کے لیے نئی قانون سازی یہ اقدام کیا گیا۔

7۔ اب آئیے اس اہم نکتے کی طرف کہ اس بل میں تو ایک لحاظ سے سود کو جواز دینے کا تاثر پایا جاتا ہے تو میں بلا تامل اس بات سے متفق ہوں اور یہی تاثر میں نے بھی لیا ہے لیکن یہ تاثر میں نے آپ کا مضمون پڑھنے سے پہلے اس وقت لیا تھا جب میں نے 13 مئی 2014ء کے اخبارت میں اس بل کی منظوری سے متعلق پڑھا۔ میرے پاس منظور شدہ بل کی نقل تو نہیں تھی لیکن بل سے متعلق اخبار میں موجود ایک جملے کو اسی وقت میں نے نوٹ کر کے 15 مئی 2014ء کو محترم سراج الحق صاحب کی خدمت میں ایک خط لکھ کرای میل کیا اور اسکی کاپی جماعت اسلامی صوبہ خیبر پختونخوا کے امیر محترم پروفیسر محمد ابراہیم خان صاحب کے ذاتی امی میل پر بھیج دی۔ (محترم سراج الحق صاحب کو ارسال کردہ خط کی نقل اس تحریر کے ساتھ منسلک ہے)۔ اخبار کے مطابق وہ جملہ جس سے میں نے یہ تاثر لیا کہ اس سے سود کو جواز فراہم ہو رہا ہے، یوں ہے: ”نہجی قرضوں پر سود کی روک تھام کے بل کے مطابق نہجی سطح پر قرضوں کی فراہمی بینکوں کی

جانب سے قرضوں کی فراہمی پر مقرر کردہ شرح منافع سے زائد پر نہیں دیے جائیں گے۔“
اس پر صوبائی وزیر خزانہ محترم سراج الحق صاحب کی خدمت میں تحریر کردہ خط میں عرض کیا تھا کہ ”لیکن اس بل میں اس نکتے سے مجھے پریشانی اور تشویش بھی پیدا ہوئی ہے جس میں کہا گیا ہے (یہاں اوپر والا جملہ نقل کیا گیا ہے)۔ ظاہر ہے کہ قرض پر جو منافع لیا جائے تو وہی تو سود ہے اور عملاً پاکستان کے بینکوں میں یہی کچھ ہو رہا ہے۔ بل کے مذکورہ جملے سے گویا ہم خود سود کو جواز فراہم کر رہے ہیں۔“ اور پھر میں نے اصلاح کی تجویز دی ہے جو آپ ملاحظہ خط میں ملاحظہ کر سکتے ہیں۔
اگر ہماری تربیت متعصبانہ ماحول میں ہوتی اور ہم جماعتی تعصب کا شکار ہوتے تو ہم اس غلطی کے لیے تاویل پیش کر کے اس کا دفاع کرتے لیکن الحمد للہ ہم پہلے مسلمان ہیں اور بعد میں جماعت اسلامی میں اس لیے شامل ہیں کہ یہ ہمیں منج رسول کے مطابق اقامت دین کے لیے مخلصانہ جدوجہد کرنے والی جماعت نظر آ رہی ہے۔

8۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر واقعی جماعت اسلامی اقامت دین کے لیے کام کرنے والی جماعت ہے تو اس بل میں موجود اس غلطی کی وجہ کیا ہے؟ تو میں بالکل شرح صدر اور پورے اعتماد کے ساتھ یہ سمجھتا ہوں کہ اسکی وجہ یہ قطعاً نہیں ہے کہ خدانخواستہ جماعت اسلامی سودی نظام کو جائز سمجھتے ہوئے اسکو جاری رکھنے کے لیے ارادتاً کوشش کر رہی ہے۔ آپکو معلوم ہے کہ میرے والد مرحوم شیخ القرآن حضرت مولانا گوہر رحمن رحمہ اللہ کا تعلق جماعت اسلامی سے تھا لیکن انہوں نے 1991 میں وفاقی شرعی عدالت میں عملاً پیش ہو کر سودی نظام کے خاتمے اور حرمت سود پر مدلل اور جامع بیانات ریکارڈ کرائے تھے جس کی روشنی میں وفاقی شرعی عدالت نے 14 نومبر 1991ء کو متفقہ فیصلہ سنایا تھا کہ بینکوں کا سود وہی رہا ہے جسے قرآن نے حرام قرار دیا ہے۔ سپریم کورٹ کے شریعت اپیلٹ بینچ نے بھی 23 دسمبر 1999ء کو اس فیصلے کی توثیق کر دی تھی اور حکم دیا تھا کہ جون 2001ء تک سودی معیشت کا مکمل خاتمہ کر دیا جائے۔ لیکن عملاً کیا ہوا؟ اس کی پوری تفصیل آپ کو معلوم ہے جس کے اعادے کی ضرورت نہیں ہے۔ اس وقت پھر اسی حوالے سے ایک پمپیشن وفاقی شرعی عدالت میں زیر سماعت ہے جس میں جماعت اسلامی کے دیگر افراد کے علاوہ میرا نام بھی عدالت کے سامنے پیش ہونے والے افراد کی فہرست میں شامل ہے۔ لہذا یہ تو ایک کھلے تضاد کی کیفیت ہے کہ ایک طرف تو جماعت اسلامی سودی نظام کے خاتمے کی کوشش کر رہی ہے اور دوسری طرف صوبہ خیبر پختونخوا کی اپنی وزارت میں سودی نظام کے تحفظ کی دانستہ کوشش کر رہی ہے۔

میرے نزدیک اسکی واحد وجہ بے توجہی ہے کہ متعلقہ ذمہ داران اور ارکان اسمبلی نے اسکا پورے انہماک اور توجہ سے مطالعہ نہیں کیا اور محض امتناع سود کا عنوان دیکھ کر اس کو ووٹ دیا۔ میرا یہ بھی اندازہ ہے کہ ہماری بیوروکریسی ابھی تک اسلامی نظام کے عملی نفاذ اور سودی نظام کے خاتمے کے لیے تیار نہیں ہے اس لیے یہ بعید نہیں ہے کہ ڈرافٹنگ کے دوران متعلقہ بیوروکریسی نے اسکی یہ شکل بنا دی ہو۔ اس نکتے سے میں صوبائی حکومت اور متعلقہ ذمہ داران کو بری الذمہ قرار دینے کی کوشش نہیں کر رہا ہوں اور سمجھتا ہوں کہ قانون سازی جیسے اہم معاملے میں بے توجہی بھی کوئی معمولی غلطی نہیں ہے لیکن عدم توجہ کی وجہ سے ایک کام کے ہو جانے اور عقیدہ و فکر کی بنیاد پر دانستہ طور پر ایک عمل کے اصدار میں

زمین و آسمان کا فرق ہے۔

9۔ میں نے اپنے والد مرحوم کے وقت سے لے کر اب تک جماعت اسلامی کے نظام کا جتنا مشاہدہ کیا ہے تو اسکی روشنی میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ جماعت کے شورائی اداروں اور مجالس میں جب کسی معاملے میں قرآن وحدیث کی روشنی میں ایک واضح صورت سامنے آجائے تو اسی کو اختیار کیا جاتا ہے، چاہے اس سے پہلے کسی غلط فہمی کی وجہ سے جماعتی طور پر کوئی دوسرا موقف ہی کیوں اختیار نہ کیا گیا ہو۔ یعنی انسانی کمزوری کی بنیاد پر کی گئی غلطی سے رجوع کر کے اسکی اصلاح کی جاتی ہے اور ایسا عملاً ہوتا رہا ہے جسکی میں آپکی خدمت میں ایک مثال پیش کرتا ہوں۔ 1991ء میں جناب نواز شریف صاحب کی سابقہ حکومت میں اس وقت کے پارلیمنٹ سے نفاذ شریعت بل منظور کرایا گیا تھا۔ اس وقت میرے والد مرحوم پارلیمنٹ کے رکن نہیں تھے لیکن جماعت اسلامی کے دیگر اراکین پارلیمنٹ نے اس بل کے حق میں ووٹ دیا تھا۔ جب اخبارات سے معلوم ہوا کہ اس بل میں خلاف اسلام دفعات بھی شامل ہیں تو میرے والد مرحوم نے جماعت اسلامی کے ایک اہم ذمہ دار اور مرکزی شورئی کارکن ہوتے ہوئے ”نفاذ شریعت ایکٹ 1991ء کا شرعی جائزہ“ کے عنوان سے ایک مفصل مضمون لکھا (چھپی ہوئی شکل میں اب بھی موجود ہے) اور جماعت کے مرکزی شورئی میں اس پر قرآن وحدیث کی روشنی میں دلائل پیش کے لیے جس کے بعد جماعت نے بطور وضاحت مرکزی شورئی سے ایک باقاعدہ قرارداد منظور کرائی جس میں اس بل کو نفاذ شریعت سے فرار کا بل قرار دیا گیا۔

10۔ غلطیوں کا شکار ہونے کے اس معاملے پر بھی تنقید کی جاسکتی ہے لیکن ایک عرصے سے جماعت کے کارکنان اور ذمہ داران کو قریب سے جانتے ہوئے میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ اس کی وجہ بھی وہ پیاس، تڑپ، لگن اور بے قراری ہے جو جماعت کے ذمہ داران اور تمام کارکنان کے دلوں میں شریعت کے عملی نفاذ کے حوالے سے موجود ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب بھی شریعت کے پیاسے یہ کارکنان شریعت کے حوالے سے کسی بھی پیشرفت کا موقع پاتے ہیں تو اس طرح بے اختیار دوڑتے ہیں جس طرح پیاسا کنوئیں کی طرف دوڑتا ہے۔ اس لیے موجودہ بل میں خامی کی وجہ یہ نہیں ہے کہ امیر جماعت اسلامی پاکستان محترم سراج الحق صاحب خدا نخواستہ صوبے میں سودی نظام کی ترویج و بقاء چاہتے ہیں بلکہ اسکی وجہ محترم سراج الحق صاحب اور ان کے رفقاء کے دلوں میں شریعت کیلئے موجودہ شدید پیاس اور تڑپ ہے جس نے محترم سراج الحق صاحب کو مجبور کیا کہ جو نہی ان کو معلوم ہوا کہ نجی سود کے امتناع کے لیے قانون سازی کی ضرورت ہے تو انہوں نے فوری طور پر اس حوالے سے عمل درآمد کا آغاز کر لیا اور اسی سرعت اور تیزی کی وجہ سے اس قانون سازی میں ایک ٹھوس غلطی صادر ہوگئی۔ میں پھر اس بات کا اعادہ کروں کہ سرعت یا بے توجہی کی وجہ سے کی گئی غلطی بھی بہر حال غلطی ہے جس کی اصلاح کی فوری کوشش ہونی چاہیے۔ میں دوبارہ اس طرف محترم امیر جماعت اور دیگر قائدین کی توجہ دلاؤں گا اور اپنی جماعت کو جانتے ہوئے مجھے امید ہے کہ اسکی اصلاح ضرور ہوگی، ان شاء اللہ۔

11۔ آخر میں بڑے ادب واحترام کے ساتھ آپکی خدمت میں یہ بھی عرض کروں کہ کسی خامی کی اصلاح یا کسی معاملے کی طرف توجہ دلانا آپکا حق بھی ہے اور بحیثیت مسلمان ایک ذمہ داری بھی ہے لیکن ایک رسالے میں اس تنقیدی

انداز میں مضمون شائع کرنا میرے خیال میں مناسب نہیں تھا۔ جماعت اسلامی پاکستان، جمعیت علماء اسلام (ف) اور (س) اور دیگر دینی جماعتوں کے درمیان بعض اختلافات کے باوجود کم از کم اس اہم قدر مشترک پر تو اتفاق موجود ہے کہ یہ سب جماعتیں اپنے منشور اور پروگرام میں واضح طور پر ملک میں اسلامی نظام کا نفاذ چاہتی ہیں اور پاکستان کو سیکولر سٹیٹ بنانے والی قوتوں کے راستے میں مزاحم ہیں۔ لہذا اس طرح کی پبلک تنقید سے ان سیکولر قوتوں کو ہی فائدہ پہنچتا ہے۔ مناسب ہوتا کہ اگر آپ اپنی اسی تحریر میں اٹھائے گئے نکات کو شائع کرانے سے قبل محترم سراج الحق صاحب اور جماعت کی قیادت کے علم میں لاتے اور پھر دیکھتے کہ اگر وہ اس غلطی کو برقرار رکھنے پر اصرار کرتے یا ایک مناسب وقت گزرنے کے باوجود اسکی اصلاح نہ کرتے تو پھر آپکو حق پہنچتا کہ اس طرح پبلک میں اس پر کھل کر تنقید کرتے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اخلاص کے ساتھ اپنے دین کی اتباع اور خدمت کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین۔ شکر یہ

ڈاکٹر عطاء الرحمن

مدیر جامعہ اسلامیہ تفہیم القرآن مردان

رکن مرکزی مجلس شوریٰ و عاملہ جماعت اسلامی پاکستان

(۳)

برادر محمد مشتاق احمد صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

14 جون 2014ء کو آپکا ای میل ملا جس میں آپ نے نجی قرضوں پر سود کی ممانعت کے حوالے سے صوبہ خیبر پختونخوا کی اسمبلی سے حال ہی میں پاس کردہ بل کے بارے آپکے نام میرے خط مورخہ 2 جون 2014ء کو ماہنامہ الشریعہ میں شائع کروانے کے بارے میں پوچھا ہے۔ میں اس کے لیے آپ کا شکر گزار ہوں لیکن میرے خیال میں تو یہ کسی علمی اختلاف کا موضوع نہیں تھا اور نہ ہی بل میں موجود سقم اور غلطی کے بارے میں ہمارے درمیان کوئی اختلاف تھا بلکہ اس خط کا مقصد آپکے مضمون میں بعض نکات کے حوالے سے ایک خط کے ذریعے اپنے احساسات کا اظہار کرنا تھا جس پر آپ نے اپنے جوابی ای میل میں نہایت ہی اچھے انداز میں اپنے رد عمل کا اظہار بھی کیا تھا۔ اس لیے میں اسکو شائع کرانے کے حق میں نہیں تھا، البتہ میں نے اس کی کاپی امیر جماعت اسلامی پاکستان و صوبائی وزیر خزانہ صوبہ خیبر پختونخوا محترم جناب سراج الحق صاحب کی خدمت میں صرف اس مقصد کے لیے ارسال کر دی تھی کہ اس بل میں وہ اہم تبدیلیاں لائی جاسکیں جن کے بارے میں میں نے اپنے خط میں امید کا اظہار کیا تھا۔

بہر حال اگر آپ اس کو شائع کروانا چاہتے ہیں تو جواب در جواب کی صورت اختیار نہ کرنے کی صورت میں اس کی اشاعت میں کوئی حرج بھی نہیں ہے بلکہ اس وقت تو اس کی اشاعت اس لحاظ سے مفید بھی ہوگی کہ اس دوران ہونے والی ان مفید اور مثبت developments کا تذکرہ بھی ساتھ ہی شائع ہو جائے گا جن کے حوالے سے میں نے اپنی قیادت کے بارے میں حسن ظن اور مثبت امید کا اظہار کیا تھا، فالحمد للہ علی ذالک۔

جیسا کہ میں نے عرض کیا تھا کہ اخبارات کے ذریعے موجودہ بل کی صوبائی اسمبلی سے منظوری کے بارے میں پڑھ کر میں نے 15 مئی 2014ء کو محترم جناب سراج الحق صاحب کو ایک خط کے ذریعے اپنی تشویش سے آگاہ کر دیا تھا اور باقاعدہ ایکٹ بننے سے قبل اس پر دوبارہ غور کرنے کی درخواست کی تھی۔ اسی طرح ماہنامہ الشریعہ میں آپ کے مضمون اور اس حوالے سے اپنے اس خط سے بھی آگاہ کر دیا تھا جس میں مذکورہ بل میں ضروری تبدیلیوں کے حوالے سے امید کا اظہار کیا تھا۔ مجھے بہت اطمینان حاصل ہوا اور میں اس بات پر اللہ رب العالمین کا شکر ادا کرتا ہوں کہ محترم سراج الحق صاحب نے اس اہم معاملے کا فوری نوٹس لے کر 5 جون 2014ء کو پیشاور میں ایک اہم اجلاس بلا یا جس میں سرکاری ذمہ داران کے علاوہ بعض جید علماء کرام کو بھی مدعو کیا گیا تھا۔ مجھ جیسے طالب علم کو بھی اجلاس میں شرکت کی دعوت دی گئی تھی لیکن میں بیرون ملک سفر کی وجہ سے اس اجلاس میں شرکت نہیں کر سکا۔ دعوت نامے کے ساتھ اسمبلی سے موجودہ منظور شدہ بل کی کاپی بھی ارسال کر دی گئی تھی، لہذا میں نے 4 جون 2014ء کو دوران سفر کچھ ضروری تجاویز بذریعہ ای میل ارسال کر دی تھیں۔ ان تجاویز میں ایک تجویز یہ بھی دی تھی کہ اس موضوع پر ایک نئے بل کی بجائے 2007ء والے ایکٹ میں ضروری ترامیم لائی جائیں۔ (میری طرف سے ارسال کردہ تجاویز کی نقل منسلک ہے)۔ اس بل کی اہمیت کے پیش نظر محترم جناب سراج الحق صاحب نے خود اس اجلاس کی صدارت کی اور صوبے سے سود کی اس لعنت کو دور کرنے کے لیے موجودہ بل میں ضروری ترامیم تجویز کرنے کے لیے جید علماء کرام اور ماہرین پر مشتمل ایک کمیٹی تشکیل کرنے کا اعلان کیا۔ مجھے امید ہے کہ ان مخلصانہ کوششوں کے نتیجے میں ہم نئی سطح پر سودی لین دین میں ملوث افراد کو قانوناً عبرت ناک سزا دلوانے میں کامیاب ہو جائیں گے، ان شاء اللہ۔

میری طرف سے محترم مولانا زاہد الراشدی مدظلہ اور برادر مہارنا ناصر حفظہ اللہ کی خدمت میں سلام عرض کیجیے گا۔

ڈاکٹر عطاء الرحمن

مہتمم جامعہ اسلامیہ تفتیم القرآن مردان

ناظم اعلیٰ رابطہ المدارس الاسلامیہ پاکستان

(۴)

"خیبر پختون خوا میں سود کی ترویج کی ایک مذموم کوشش: جماعت اسلامی اور جمعیت علماء اسلام کا موقف؟" کے عنوان سے ماہنامہ "الشریعہ" کے جون کے شمارے میں راقم کا مضمون شائع ہوا اور حسب توقع اس کی اشاعت بہت مفید ثابت ہوئی۔ یکم جون کو ہی ملک کے اندر اور باہر سے بعض دوستوں نے ای میل اور فون کے ذریعے رابطہ کر کے تفصیلات کا مطالبہ کیا۔ بعض دوستوں نے یہ مضمون سوشل میڈیا پر بھی شیئر کیا جس کی وجہ سے بھی بہت سے لوگوں تک یہ مضمون پہنچا۔ زیادہ تر جماعت اسلامی، یایونی ورٹی میں اسلامی جمعیت طلبہ کے حلقے سے ہی لوگوں نے رابطہ کر کے اپنے رد عمل کا اظہار کیا اور نہایت خوش آئند امر یہ رہا کہ یہ رد عمل بالعموم مثبت رہا۔ 2 جون کو ہمارے مخدوم جناب مولانا ڈاکٹر عطاء الرحمن صاحب نے دوران سفر ہی ملائیشیا سے ایک طویل مراسلہ ای میل کے ذریعے بھیجا جسے اس شمارے

میں شائع کیا جا رہا ہے۔ زیر نظر مضمون میں "الشریعہ" کے معزز قارئین کو اس سلسلے میں حکومتی سطح پر کی گئی تازہ پیش رفت سے آگاہ کیا جا رہا ہے۔ تاہم اس سے پہلے ضروری ہے کہ ڈاکٹر صاحب کے مکتوب میں اٹھائے گئے بعض نکات پر اپنے موقف کی توضیح کی جائے۔ مقصود مباحثہ یا مناظرہ نہیں، بلکہ غلط فہمی کا ازالہ ہے۔

میں نے اپنے مضمون میں کہیں بھی یہ نہیں لکھا، نہ ہی یہ میرا موقف ہے، کہ جماعت اسلامی (یا جمعیت العلماء) خدا نخواستہ "دیدہ و دانستہ" سود خوری کی ترویج کر رہی ہے۔ پاکستان میں اسلامی قانون اور اسلامی معیشت کے نفاذ کے سلسلے میں جماعت اسلامی کے کام سے میں کیسے انکار کر سکتا ہوں؟ مولانا گوہر رحمان رحمہ اللہ کو تو میں اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سمجھتا ہوں اور ہمیشہ ان سے کچھ سیکھنے کی ہی کوشش کی۔ ان کی حق گوئی و بیباکی کی تو ایک دنیا معترف ہے۔ نہ ہی خدا نخواستہ مجھے جناب سراج الحق صاحب کی دینداری پر کوئی شبہ ہے۔ مسئلہ یہ نہیں تھا، بلکہ صرف یہ تھا کہ ایسے دیندار شخص جو ایسی جماعت کے سربراہ ہیں کیسے بغیر پڑھے مسودہ قانون پر دستخط کر کے اسے منظوری کے لیے اسمبلی میں پیش ہونے دیتے ہیں؟ جب میں نے یہ کہا کہ جماعت کے امیر کا حلف اٹھانے کے بعد پہلے ہفتے میں انھوں نے اس مسودے پر دستخط کیے ہیں تو مقصود یہی تھا کہ جماعت کا امیر بننے کے بعد تو ان کی ذمہ داری مزید بڑھ گئی ہے۔ اگر پہلے بھی وہ بغیر سوچے سمجھے اس مسودے پر دستخط کرتے تو غلط کرتے لیکن اب انھوں نے یہ کیا تو بہت ہی غلط کیا۔ آپ کہتے ہیں یہ عدم توجہی کی بنا پر ہوا، نہ کہ دیدہ و دانستہ۔ مجھے اس سے سو فیصد اتفاق ہے، اور میرا گلہ بھی بس یہی ہے، اور کچھ نہیں۔

اگر مضمون کے عنوان، یا اس نوعیت کے بعض جملوں سے کسی کو تکلیف پہنچی ہے تو مجھے افسوس ہے لیکن ازراہ تفہیم عرض ہے کہ اگر مضمون کا عنوان یہ نہ ہوتا، یا مضمون میں یہ چند (بے ضرورت قسم کے) جملے نہ ہوتے تو کیا اس پر اس نوعیت کا فوری اور شدید رد عمل ہوتا؟ مجھے یقین ہے کہ اب بن صغی کی تحریرات سے لگا رہا ہے۔ ایک جگہ وہ لکھتے ہیں کہ اگر کسی ادبی مضمون کا عنوان "جوش کی شاعری" ہو تو شاید ہی کوئی اسے پڑھنے کی زحمت گوارا کرے لیکن اگر عنوان ہو "جوش اور پاپوش" تو ہر کوئی اس پر کم از کم ایک نظر تو ڈال ہی لیتا ہے۔ پشتو کے ایک مقولے کا مفہوم ہے کہ ماں بھی اس وقت تک بچے کو دودھ پلانے کے لیے گود میں نہیں لیتی جب تک بچہ رونا نہ شروع کر دے۔ میرا مضمون بھی بس اسی نوعیت کا تھا۔ پشتو ہی کا ایک اور مقولہ ہے کہ ہیکہ گلہ اپنوں سے ہی ہوتا ہے اور چچا غالب نے بھی کہا تھا:

جب توقع ہی اٹھ گئی غالب

کیوں کسی کا گلہ کرے کوئی

پس مجھے سراج صاحب، یا جماعت اسلامی اور جمعیت علماء اسلام کے معزز ارکان، سے گلہ تھا تو صرف اسی وجہ سے کہ ان سے یہ توقع نہیں تھی۔ مجھے خوشی ہے کہ اس شکوے کا فائدہ بہر حال ہوا۔

ڈاکٹر صاحب کہتے ہیں کہ میرے مضمون کی اشاعت سے قبل ہی اس مسودہ قانون کے بارے میں اخبار میں خبر پڑھ کر انھوں نے 15 مئی کو سراج صاحب کو خط لکھ کر عدم اطمینان کا اظہار کیا تھا۔ بالکل صحیح، لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس کے بعد بھی اس مسودہ قانون کے حوالے سے کوئی پیش رفت اس وقت تک نہیں ہوئی جب تک "الشریعہ" میں میرا

مضمون شائع نہیں ہوا۔ چنانچہ اس مضمون کی اشاعت کے بعد ہی 3 جون کو جناب سراج الحق صاحب نے اس مسودے کا جائزہ لینے اور نیا مسودہ بنانے کے لیے ایک سات رکنی کمیٹی بنائی جن میں ڈاکٹر صاحب کے علاوہ میرے والد محترم اور جناب پروفیسر سید محمد عباس صاحب بھی شامل تھے۔ اس کمیٹی کا پہلا اجلاس 5 جون کو ہوا اور اجلاس کا جوائنٹ ڈاکٹر صاحب کو بھیجا گیا اس کے ساتھ میرا مضمون بھی منسلک تھا جس سے اس اجلاس کا "شان نزول" خود بخود معلوم ہوا۔ جناب سراج الحق صاحب نے اس کمیٹی کے پہلے اجلاس کی صدارت کی اور اس میں متفقہ طور پر طے پایا کہ مسودے سے ایسی تمام مشقیں دور کر دی جائیں گی جن سے کسی طور بھی سود کو جواز ملتا ہے۔ جناب سراج الحق صاحب نے واشگاف الفاظ میں قرار دیا کہ سودی لین دین حرام ہے اور ہم اس نظام کو ختم کر دیں گے۔ (بحوالہ روزنامہ "ایکسپریس" پشاور، مورخہ 7 جون 2014ء) ڈاکٹر عطاء الرحمن صاحب بیرون ملک سفر کی وجہ سے اس میٹنگ میں شریک نہ ہو سکے لیکن انھوں نے اپنی تجاویز ای میل کیں۔ کمیٹی کی ایک اور میٹنگ 11 جون اور اس کے بعد 16 جون کو ہوئی جس میں نئے مسودے کے بنیادی خدوخال طے کیے گئے۔ بجٹ اجلاس کی وجہ سے اگلی میٹنگ میں تھوڑی تاخیر ہوئی لیکن امید ہے کہ جون کے آخری ہفتے میں مسودے کو حتمی شکل دی جائے گی۔

جمعیت علمائے اسلام کے حلقے سے کسی نے بھی براہ راست رابطہ نہیں کیا، نہ ہی باضابطہ رد عمل سے آگاہ کیا۔ پچھلے مضمون میں یہ شکوہ بھی کیا گیا تھا کہ مضمون تحریر کیے جانے تک (24 مئی تک) جمعیت علمائے اسلام کے 16 ارکان میں کسی ایک نے بھی اس مسودے میں ترمیم کے لیے اسمبلی سیکریٹریٹ میں کوئی تجویز پیش نہیں کی۔ مضمون کی اشاعت کے بعد یہ ہوا کہ 6 جون کو جمعیت سے تعلق رکھنے والے ایک رکن اسمبلی جناب مولانا فضل غفور صاحب نے اس مسودہ قانون میں ترمیم کے لیے اپنی بعض تجاویز اسمبلی سیکریٹریٹ میں جمع کرائیں۔ یہ تجاویز بنیادی طور پر انہی نکات پر مشتمل ہیں جو میرے پچھلے مضمون میں پیش کیے گئے تھے۔

اس دراز نفسی سے مقصود ہرگز یہ نہیں ہے کہ میں سارا "کریڈٹ" لینا چاہتا ہوں۔ اجر کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے اور وہ نیتوں اور اعمال سے بخوبی باخبر ہے۔ میں اصل میں یہ نکتہ اٹھانا چاہتا ہوں کہ بعض اوقات "پبلک تنقید" سے وہ فائدہ ہوتا ہے جو نجی خطوط سے نہیں ہوتا۔ پچھلے مضمون میں بھی صراحت کی گئی تھی اور یہاں بھی مکرراً عرض ہے کہ یہ معاملہ فوری نوعیت کا تھا اور اس قانون کی منظوری کے نتائج انتہائی خطرناک ہوتے۔ اس لیے اس کا راستہ روکنے کے لیے "الشریعہ" سے زیادہ مناسب فورم اور کوئی نہیں تھا، اور الحمد للہ اس کا مثبت نتیجہ برآمد ہوا۔

باقی رہا اسلامی قانون کے نفاذ کے معاملے میں عدالت عالیہ اور بیورو کریسی کا رویہ اور انداز، تو ان کے متعلق الگ سے اپنی معروضات تفصیلاً پیش کروں گا، ان شاء اللہ۔ یار زندہ، صحبت باقی!

محمد مشتاق احمد

mushtaqahmad@iiu.edu.pk